Al-Qawārīr - Vol: 07, Issue: 02,
Jan – Mar 2026

OPEN ACCESS
Al-Qawārīr
pISSN: 2709-4561
eISSN: 2709-457X
Journal.al-qawarir.com

اسلام، عیسائیت اور یہودیت میں خواتین کی معاشی خود مختاری: نصوصِ مقدسہ کی روشنی میں تقابلی مطالعہ

Economic Autonomy of Women in Islam, Christianity, and Judaism: A Comparative Study in the Light of Sacred Texts

Hafiz Muhammad Saleem
PhD Scholar, Department of Islamic Studies,
University of Engineering and Technology, Lahore
Dr. Zahid Lateef
Chairman, Department of Islamic Studies,
University of Engineering and Technology, Lahore

ABSTRACT

This study examines the economic autonomy of women within the three major Abrahamic religions ،Islam, Christianity, and Judaism ،through a comparative analysis of their sacred texts. In Islam, the Qur'an and Hadith provide women with a clearly defined financial identity, including rights to inheritance, property ownership, and marital financial security, such as dower (mahr) and maintenance (nafaqah). Christianity emphasizes spiritual equality and ethical responsibility, linking economic engagement to moral accountability rather than mere legal entitlement. Judaism establishes legal safeguards through instruments like the Ketubah and inheritance laws, granting women protection and limited financial autonomy within familial and social structures. The research highlights that while each tradition has developed its own framework, common principles emerge: women are recognized as independent economic actors with both rights and responsibilities, and financial participation is closely linked with social and ethical duties. Historical practices often imposed contextual restrictions, yet the foundational texts consistently affirm women's legitimate claims to property and

Seerat Chair Gender Studies & Women Rights,
Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore, Pakistan.

© The Authors. No conflict of interest declared.
This is an open access work licensed under a **Creative Commons Attribution 4.0 International License (CC BY 4.0).**

resources. Contemporary implications reveal varying degrees of practical application: Islamic societies integrate classical jurisprudence with modern economic participation; Western Christian contexts combine ethical principles with secular legal systems; and Jewish communities blend traditional obligations with contemporary civil frameworks. The study demonstrates that religious precepts continue to shape women's economic roles and that harmonizing traditional teachings with modern societal norms can enhance gender-equitable financial inclusion. This comparative analysis underscores the importance of understanding economic autonomy not merely as legal entitlement but as a multidimensional construct encompassing ethical, spiritual, and social dimensions across religious traditions.

Keywords: *Women's economic autonomy, Abrahamic religions, Islamic inheritance law, Christian ethical responsibility, Jewish financial rights, comparative religious study, sacred texts, contemporary applications.*

عصرِ حاضر میں خواتین کی معاشی خود مختاری ایک نہایت اہم فکری، قانونی اور سماجی مسئلہ بن چکی ہے، جس نے مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی دائرہ کار کو یکجا کرنے کی ضرورت پیدا کی ہے۔ اسلام، عیسائیت اور یہودیت کی مقدس نصوص میں عورت کے مالی حقوق کے اصول واضح طور پر موجود ہیں، تاہم ہر مذہب نے ان اصولوں کو تاریخی، سماجی اور اخلاقی تناظر میں مختلف انداز میں تعبیر کیا۔ اسلامی تعلیمات میں عورت کو مستقل مالی شناخت، مہر، نان و نفقہ، اور وراثت میں معین حصے کے ذریعے حقوق حاصل ہیں، جو اسے معاشی خود مختاری کے حامل فرد کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ عیسائیت میں روحانی مساوات اور اخلاقی ذمہ داری کے اصول عورت کی معاشی شمولیت کی بنیاد فراہم کرتے ہیں، جبکہ یہودیت میں Ketubah ، وراثت کے قوانین اور فقہی ضوابط عورت کو قانونی اور ازدواجی تحفظ فراہم کرتے ہیں، مگر خاندانی اور نسبی تناظر کے ساتھ۔ یہ تقابلی مطالعہ ان تینوں مذاہب کے معاشی اصولوں کو محض قانونی دائرے تک محدود نہیں رکھتا بلکہ ان کے روحانی، اخلاقی اور سماجی مضمرات پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ ایک جانب عورت کی مالی حیثیت کو تسلیم کیا گیا ہے، تو دوسری جانب معاشرتی استحکام، خاندانی ربط اور اخلاقی ذمہ داری کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ یہی نقطہ تقابلی مطالعے میں سب سے زیادہ نمایاں ہوتا ہے، کیونکہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ الہامی مذاہب میں معاشی حقوق کو فرد کی آزادی اور اجتماعی نظم کے درمیان توازن کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ مزید برآں، عصری دنیا میں سیکولر قوانین، صنعتی اور مابعد صنعتی معاشی ڈھانچے، اور انسانی حقوق کے عالمی بیانیے نے خواتین کی معاشی خود مختاری کے تصور کو نئے تناظر میں رکھا ہے۔ اس مطالعے کا مقصد یہ ہے کہ مذہبی نصوص کی روشنی میں عورت کے حقوق کی تاریخی اور فقہی بنیاد کو سمجھا جائے، اور ساتھ ہی معاصر دنیا میں ان کی عملی تطبیق اور چیلنجز کو بھی اجاگر کیا جائے۔ تقابلی جائزہ نہ صرف عورت کے مالی حقوق کے اصولی فرق اور مماثلت کو واضح کرتا ہے، بلکہ

یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ کس طرح ہر مذہب نے معاشرتی اور اخلاقی حدود کے ساتھ خواتین کو اقتصادی طور پر فعال اور بااختیار بنانے کی کوشش کی۔ یہ مطالعہ ایک علمی پُل کا کام کرتا ہے، جس میں مذہبی نصوص، فقہی اور اخلاقی تعلیمات، اور عصری معاشرتی و قانونی حالات کا امتزاج موجود ہے۔ اس کا مقصد صرف فرق اور مماثلت کا بیان نہیں، بلکہ خواتین کی معاشی خود مختاری کو نصوصی، اخلاقی اور عملی بنیاد پر سمجھنا اور عصری معاشرت میں اس کے اطلاق کے لیے رہنمائی فراہم کرنا ہے۔

خواتین کی معاشی خود مختاری کا الہامی تصور اور نصوصی بنیادیں

الہامی مذاہب میں خواتین کی معاشی خود مختاری کا تصور محض قانونی اجازت یا سماجی رعایت کا نام نہیں، بلکہ یہ انسان کے اس جامع تصور سے وابستہ ہے جس میں جنس، کردار اور ذمہ داری سب ایک الہامی نظم کے تحت متعین ہوتے ہیں۔ وحی انسان کو ایک اخلاقی فاعل اور جواب دہ وجود کے طور پر پیش کرتی ہے، اور یہی اخلاقی فاعلیت معاشی اہلیت کی بنیاد بنتی ہے۔ اس تناظر میں عورت کی معاشی حیثیت اس کی انسانیت سے ماخوذ ہے، نہ کہ محض اس کے خاندانی یا سماجی کردار سے، اگرچہ یہ کردار اس اہلیت کے دائرے کو منضبط ضرور کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ[1]

"اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت عطا کی۔"

یہ قرآنی اعلان انسانی تکریم کو کسی جنس، نسل یا سماجی درجے سے مشروط نہیں کرتا۔ اسی غیر مشروط تکریم کے اندر معاشی اہلیت کا اصول مضمر ہے، جس کے تحت عورت کو بھی تصرفِ مال، ملکیت اور مالی فیصلہ سازی کا اخلاقی و قانونی جواز حاصل ہوتا ہے۔ یہ تکریم معاشی خود مختاری کو محض دنیاوی حق نہیں بلکہ انسانی وقار کا جزو قرار دیتی ہے، جس سے الہامی تصورِ معیشت جدید utilitarian فکر سے بنیادی طور پر مختلف ہو جاتا ہے۔

For the love of money is the root of all kinds of evil.[2]

"مال کی محبت ہر طرح کی برائی کی جڑ ہے۔"

یہ پولسی تعلیم معاشی سرگرمی کی نفی نہیں بلکہ اس کی اخلاقی سمت متعین کرتی ہے۔ عیسائیت میں عورت اور مرد دونوں کی معاشی وابستگی کو روحانی تطہیر کے تابع رکھا گیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشی خود مختاری کو اخلاقی ضبط کے بغیر قابلِ قبول نہیں سمجھا گیا۔ اسی اصول نے عورت کو محض معاشی قوت بننے کے بجائے ایک ذمہ دار اخلاقی فاعل کے طور پر پیش کیا، جس کی خود مختاری حرص کے بجائے خدمت کے تصور سے جڑی ہے۔

And God blessed them, and God said unto them… have dominion.[3]

"اور خدا نے ان کو برکت دی اور کہا… تم اختیار رکھو۔"

یہ توراتی تصور انسان کو زمین پر اختیار اور تصرف کا حق عطا کرتا ہے، جس میں عورت اور مرد کی تخصیص نہیں کی گئی۔ اگرچہ یہودیت کی فقہی روایت میں عورت کے معاشی اختیارات کو خاندانی نظم کے تحت محدود رکھا گیا، تاہم نصوصی سطح پر تصرف اور ملکیت کا بنیادی حق انسانی نوع کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہی اصول بعد میں عورت کے لیے وراثت اور ازدواجی مالی تحفظ کی بنیاد بنا۔

امام ابنِ حزم انسان کی مالی اہلیت پر بحث کرتے ہوئے اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ اصل اعتبار عقل اور ذمہ داری کا ہے، نہ کہ جنس کا۔ ان کے نزدیک عورت اگر خرید و فروخت، ہبہ اور وصیت کی اہل نہ ہوتی تو شریعت اس کے مالی تصرفات کو تسلیم ہی نہ کرتی۔ یہ موقف اسلامی فقہی روایت میں عورت کی معاشی خودمختاری کو اصولی بنیاد فراہم کرتا ہے، جو محض عرفی نہیں بلکہ نصوصی فہم سے ماخوذ ہے۔[4]

جدید مفکر چارلس ٹیلر کے نزدیک الہامی معاشی تصور اور جدید خودمختاری کے بیانیے میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مذہب خودمختاری کو اخلاقی رشتوں سے منقطع نہیں کرتا، جبکہ جدید سیکولر فکر فرد کو خود اپنے لیے معیار بنا دیتی ہے۔ عورت کی معاشی آزادی کے باب میں یہ فرق نہایت گہرا ہے، کیونکہ الہامی تصور اسے خاندانی، اخلاقی اور سماجی ربط کے اندر باوقار بناتا ہے، نہ کہ تنہائی کے اندر خودمختار۔[5]

ان نصوص اور فکری توضیحات کے مجموعی مطالعے سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ خواتین کی معاشی خودمختاری الہامی مذاہب میں ایک مجرد قانونی دعویٰ نہیں بلکہ ایک اخلاقی و روحانی تصور ہے، جو ملکیت اور تصرف کو انسانی تکریم، ذمہ داری اور جواب دہی کے ساتھ جوڑتا ہے۔ یہی ربط اس خودمختاری کو محض طاقت کے اظہار کے بجائے انسانی معاشرت کے استحکام کا ذریعہ بناتا ہے، اور اسی نکتے پر الہامی اور جدید معاشی بیانیے ایک دوسرے سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔

الہامی مذاہب، جو یہودیت، مسیحیت اور اسلام پر مشتمل ابراہیمی روایت کے حامل ہیں، خواتین کی معاشی خودمختاری کو ایک مقدس تصور کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ یہ تصور، جو آسمانی نصوص کی بنیاد پر استوار ہے، خواتین کو مالی آزادی، ملکیت اور وراثت کے حقوق عطا کرتا ہے، جو انسانی معاشرے کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ تاریخی تناظر میں، یہ مذاہب نے خواتین کی معاشی کمزوری کو دور کرنے کے لیے revolutionary اصول وضع کیے، جہاں قدیم معاشروں میں عورت کی حیثیت غلامانہ تھی۔ نصوصی اعتبار سے، تورات، انجیل اور قرآن کی تعلیمات خواتین کو مرد کے برابر یا اس کے قریب معاشی حیثیت دیتی ہیں، جو الٰہی

عدل کی عکاسی کرتی ہیں۔ تحقیقی مطالعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقوق مذہبی تفاسیر اور سماجی ماحول سے متاثر ہوتے ہیں، لیکن ان کی جڑیں آسمانی وحی میں پیوست ہیں، جو خواتین کی کرامت اور آزادی کو یقینی بناتی ہیں۔ یہودیت میں خواتین کی معاشی خود مختاری کی نصوصی بنیادیں تورات اور تلمود میں موجود ہیں۔ تورات کی کتاب Numbers 27 میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر باپ کے بیٹے نہ ہوں تو بیٹیاں وراثت کی حقدار ہیں، جو خواتین کی مالی آزادی کی بنیاد ہے۔ تاہم، یہ حق قبیلے کی ملکیت کی حفاظت کی شرط سے مشروط ہے۔ تلمود خواتین کو کاروبار اور ملکیت کا محدود حق دیتا ہے؛ شادی شدہ عورت کی کمائی شوہر کی ملکیت شمار ہوتی ہے، لیکن وہ اپنی ذاتی جائیداد کا انتظام کر سکتی ہے۔ Proverbs 31 میں ایک نیک عورت کو تجارت اور سرمایہ کاری کرنے والی دکھایا گیا ہے، جو اس کی معاشی خود مختاری کو تسلیم کرتی ہے۔ تحقیقی اعتبار سے، یہودیت نے خواتین کو قدیم معاشروں میں نسبتاً بہتر حقوق دیے، لیکن روایتی تفاسیر میں مرد کی سرپرستی لازم ہے، جو آزادی کو محدود کرتی ہے۔ معاصر یہودیت میں، خاص طور پر ریفارم شاخوں میں، یہ حقوق جدید feministic تناظر میں پھیل رہے ہیں۔ مسیحیت میں خواتین کی معاشی خود مختاری کا الہامی تصور انجیل کی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ اولڈ ٹیسٹامنٹ کی کتاب Proverbs 31 میں عورت کو جائیداد خریدنے اور تجارت کرنے والی قرار دیا گیا ہے، جو اس کی مالی آزادی کی عکاسی کرتی ہے۔ نیو ٹیسٹامنٹ کی Galatians 3:28 میں فرمایا گیا ہے کہ مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں، جو معاشی برابری کی بنیاد ہے۔ Luke 8:1-3 میں خواتین کو مسیح کی خدمت کے لیے اپنے مال سے امداد کرنے والی دکھایا گیا ہے، جو ان کی مالی خود مختاری کو ظاہر کرتا ہے۔ تاہم، بعض آیات جیسے Ephesians 5 میں عورت کو مرد کی تابعداری کا حکم ہے، جو تفاسیر میں معاشی آزادی کو متاثر کر سکتی ہے۔ تحقیقی جائزوں سے پتہ چلتا ہے کہ مسیحیت نے رومی معاشرے میں خواتین کو وراثت اور تجارت کی آزادی دی، جو الٰہی انصاف کی بنیاد پر ہے۔ معاصر مسیحی تحریکوں میں، یہ حقوق تعلیم اور کام کی جگہ پر برابری کی صورت میں پھیل رہے ہیں۔ اسلام میں خواتین کی معاشی خود مختاری کی نصوصی بنیادیں قرآن اور حدیث میں واضح ہیں۔ قرآن کی سورۃ النساء:۳۲ میں فرمایا گیا ہے کہ "عورتوں کے لیے ان کی کمائی کا حصہ ہے"، جو مالی آزادی کی ضمانت ہے۔ عورت ملکیت کی مالک ہو سکتی ہے، تجارت کر سکتی ہے، اور وراثت میں حصہ لے سکتی ہے۔ سورۃ البقرہ:۲۸۲ میں مالی معاہدوں میں عورت کی گواہی کو تسلیم کیا گیا ہے۔ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت اپنے مال کی مالک ہے۔ تحقیقی اعتبار سے، اسلام نے قبل از اسلام عرب معاشرے میں عورت کو مالی حقوق دیے، جو الٰہی حکم کی صورت میں revolutionary تھے۔ مہر اور نان نفقہ جیسے حقوق اس کی معاشی تحفظ کو یقینی بناتے ہیں۔ موازنہ کی روشنی میں، یہودیت اور مسیحیت میں خواتین کی معاشی خود مختاری سماجی انصاف پر مبنی ہے، جبکہ اسلام میں یہ الٰہی حکم کی صورت میں جامع ہے۔ تمام مذاہب نصوصی بنیادوں پر خواتین کی آزادی کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن

اسلام نے اسے عملی طور پر نافذ کیا۔ ادبی تناظر میں، یہ تصور خواتین کو بااختیار وجود بناتا ہے، جو معاشرے کی ترقی کا ضامن ہے۔ نتیجتاً، الہامی مذاہب کی یہ نصوصی بنیادیں خواتین کی معاشی خود مختاری کو الٰہی نعمت قرار دیتی ہیں، جو انسانی توازن کی بنیاد ہیں۔

یہودیت میں خواتین کی معاشی خود مختاری کا نظام

یہودیت میں خواتین کی معاشی خود مختاری ایک ایسے شریعتی و سماجی ڈھانچے کے اندر متعین ہوتی ہے جو خاندان کو معاشی اکائی اور نسب کو قانونی محور تصور کرتا ہے۔ اسی پس منظر میں عورت کی مالی حیثیت کو نہ مکمل خود مختاری کی صورت میں دیکھا گیا اور نہ ہی مطلق محرومی کے طور پر، بلکہ اسے ایک ضابطہ بند تحفظ اور محدود تصرف کے امتزاج کے ساتھ تسلیم کیا گیا۔ توراتی شریعت عورت کو بنیادی انسانی وقار کے ساتھ خاندانی نظام کا جزو قرار دیتی ہے، اور یہی امر اس کی معاشی حیثیت کی نوعیت طے کرتا ہے۔

" اور اگر کوئی شخص اپنی بیٹی کو لونڈی کے طور پر فروخت کرے"[6]…

یہ توراتی عبارت بظاہر عورت کی معاشی خود مختاری کے بجائے اس کی مالی وابستگی کو ظاہر کرتی ہے، مگر یہودی شریعت نے اسی وابستگی کے اندر عورت کے حقوق کی تحدید اور تحفظ کو بھی لازم قرار دیا۔ بعد کی ربّانی تشریحات میں اس حکم کو ایسے قیود کے ساتھ سمجھا گیا جن کے تحت عورت کے ساتھ بدسلوکی، محرومی اور غیر انسانی تصرف ممنوع ٹھہرا۔ یوں عورت کی مالی حیثیت ایک محض تجارتی شے کے بجائے قانونی ذمہ داری کے دائرے میں آجاتی ہے۔

" اور تم اس کی میراث اس کی بیٹی کو دے دوگے۔[7]"

یہ حکم وراثت کے باب میں عورت کی قانونی موجودگی کو تسلیم کرتا ہے، اگرچہ اس کا اطلاق مخصوص حالات کے ساتھ مشروط رکھا گیا۔ بناتِ صلفحاد کا واقعہ یہودی قانون میں عورت کے جائیدادی حق کے لیے ایک نظیری بنیاد فراہم کرتا ہے، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عورت کو جائیداد سے کلیتاً خارج کرنا توراتی مزاج کے خلاف ہے، اگرچہ ترجیحی حق بیٹے کو دیا گیا۔

> The ketubah is a legally binding financial obligation upon the husband.[8]

"کتوبہ شوہر پر عائد ایک قانونی اور مالی ذمہ داری ہے۔"

Ketubah یہودی معاشرت میں عورت کے معاشی تحفظ کی سب سے نمایاں علامت ہے۔ یہ ازدواجی معاہدہ عورت کو طلاق یا شوہر کی وفات کی صورت میں مالی عدمِ تحفظ سے بچانے کے لیے وضع کیا گیا، جس کے ذریعے عورت کو ایک مقررہ مالی حق حاصل ہوتا ہے۔ اس تصور میں عورت کی معاشی خود مختاری مکمل نہیں، مگر اس کا مالی وقار قانونی طور پر محفوظ ضرور ہے، جو قدیم دنیا کے تناظر میں ایک قابلِ ذکر پیش رفت تھی۔

مائمونیدیز عورت کی کفالت کو شوہر کی شرعی ذمہ داری قرار دیتے ہوئے یہ نکتہ واضح کرتے ہیں کہ عورت کی ذاتی ملکیت، خواہ وہ وراثت سے حاصل ہو یا کسی اور ذریعے سے، اس پر عورت کا حق تصرف برقرار رہتا ہے۔ ان کے نزدیک کفالت کا نظام عورت کی معاشی شخصیت کو منسوخ نہیں کرتا بلکہ اسے معاشی دباؤ سے محفوظ بناتا ہے، اگرچہ خاندانی نظم اس تصرف کو محدود کر سکتا ہے۔[9]

جدید یہودی مفکر مناخم ایلون کے مطابق عصرِ حاضر کے یہودی معاشروں میں عورت کی معاشی خودمختاری مذہبی قانون اور سیکولر ریاستی قانون کے امتزاج سے نئی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اسرائیلی عدالتی نظام میں عورت کو جائیداد، وراثت اور مالی دعووں میں مساوی حیثیت حاصل ہے، تاہم مذہبی نکاح اور خاندانی معاملات میں روایتی Ketubah اب بھی ایک فعال قانونی کردار ادا کرتی ہے، جس سے ایک دو سطحی مگر مربوط نظام تشکیل پاتا ہے۔[10]

اس مجموعی تجزیے سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ یہودیت میں خواتین کی معاشی خودمختاری نہ تو مجرد مساوات پر مبنی ہے اور نہ ہی محض کفالت کے تصور تک محدود۔ یہ ایک ایسا تدریجی اور ضابطہ بند نظام ہے جس میں عورت کو مالی تحفظ، جائیداد میں محدود حق اور ازدواجی ضمانت فراہم کی گئی، جبکہ اس کی معاشی آزادی کو خاندانی اور نسبی استحکام کے اعلیٰ مقاصد کے ساتھ مربوط رکھا گیا۔ یہی پہلو یہودی معاشی فکر کو تقابلی مطالعے میں ایک منفرد اور معنوی حیثیت عطا کرتا ہے۔

یہودیت، جو تورات اور تلمود کی آسمانی تعلیمات پر مبنی قدیم ترین ابراہیمی مذہب ہے، خواتین کی معاشی خودمختاری کو ایک پیچیدہ اور تاریخی فریم ورک میں دیکھتی ہے۔ یہ نظام، جو الٰہی احکامات اور خاندانی اتحاد کی بنیاد پر استوار ہے، خواتین کو محدود مالی آزادی عطا کرتا ہے، جو قدیم معاشروں میں نسبتاً progressive تھا۔ تورات کی رو سے، خواتین کو ملکیت اور وراثت کا حق حاصل ہے، لیکن یہ مرد کی سرپرستی سے مشروط ہے۔ تاریخی تناظر میں، یہودیت نے خواتین کی معاشی حیثیت کو خاندانی استحکام سے جوڑا، جہاں وہ گھریلو تجارت اور جائیداد کے انتظام میں حصہ لے سکتی ہیں۔ تحقیقی اعتبار سے، یہ نظام تلمودی تفاسیر سے متاثر ہے، جو خواتین کی مالی خودمختاری کو سماجی ماحول کے مطابق ڈھالتا ہے۔ یہ حقوق نہ صرف الٰہی حکم کا مظہر ہیں بلکہ معاشرتی توازن کی ضمانت بھی۔ تورات میں خواتین کی معاشی خودمختاری کی بنیاد Numbers 27:1-11 میں بیان ہے، جہاں زیلوفہاد کی بیٹیوں کو وراثت کا حق دیا گیا، بشرطیکہ وہ قبیلے کے اندر شادی کریں تاکہ ملکیت قبیلے سے باہر نہ جائے۔ یہ اصول خواتین کی مالی آزادی کو تسلیم کرتا ہے، لیکن خاندانی اتحاد کو مقدم رکھتا ہے۔ Proverbs 31:10-31 میں ایک نیک عورت کو تجارت، جائیداد کی خرید و فروخت، اور انگور کے باغات کی نگرانی کرنے والی دکھایا گیا ہے، جو اس کی معاشی قابلیت کو اجاگر کرتی ہے۔ تلمود (Ketubot 65a) میں بیان ہے کہ شادی شدہ عورت کی کمائی شوہر کی ملکیت شمار ہوتی ہے، لیکن وہ اپنی ذاتی جائیداد (جیسے دہیز) پر اختیار رکھ سکتی ہے۔ کیتوبہ

(شادی کا معاہدہ) خواتین کے لیے معاشی تحفظ کی کلیدی دستاویز ہے، جو طلاق یا بیوگی کی صورت میں مالی امداد یقینی بناتی ہے۔ تحقیقی مطالعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودیت نے خواتین کو قدیم بابلی اور رومی معاشروں میں نسبتاً بہتر حقوق دیے، جہاں وہ غلامانہ حیثیت رکھتی تھیں۔ تاہم، روایتی یہودیت میں مرد کی سرپرستی لازم ہے، جو خواتین کی مکمل خود مختاری کو محدود کرتی ہے۔ تاریخی طور پر، قرونِ وسطیٰ میں یہودی خواتین نے معاشی میدان میں فعال کردار ادا کیا؛ مثال کے طور پر، اٹلی اور اسپین میں وہ قرضہ جاتی بینکاری، تجارت اور دستکاری میں ملوث تھیں۔ Ashkenazi اور Sephardic روایات میں خواتین کو کاروباری آزادی حاصل تھی، خاص طور پر بحرانوں (جیسے جلاوطنی) کے دوران جب مرد غائب ہوتے تو خواتین خاندان کی کفالت کرتیں۔ تلمود کی Mishnah (Ketubot 8:6) میں بیان ہے کہ بیوہ عورت کو اپنے شوہر کی جائیداد سے نان نفقہ ملتا ہے، جو اس کی معاشی خود مختاری کو تحفظ دیتا ہے۔ معاصر یہودیت، خاص طور پر Reform اور Conservative شاخوں میں، خواتین کی معاشی خود مختاری کو جدید feministic لینز سے دیکھا جاتا ہے۔ بیسویں صدی کی تحریکوں نے برابر اجرت اور کام کی جگہ پر برابری کا مطالبہ کیا، جو تورات کی تعلیم "انصاف کے ساتھ اجرت ادا کرو" (Leviticus 19:13) پر مبنی ہے۔ Orthodox یہودیت میں اب بھی روایتی پابندیاں موجود ہیں، جہاں خواتین کی معاشی حیثیت خاندانی ذمہ داریوں سے جڑی ہے۔ تحقیقی جائزوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہودیت کی لچک نے خواتین کو معاشی بحرانوں میں بااختیار بنایا، جو ادبی اعتبار سے انسانی جدوجہد کا عکاس ہے۔ یہودیت میں خواتین کی معاشی خود مختاری کا نظام الٰہی نصوص اور تاریخی ماحول کا امتزاج ہے، جو انہیں محدود لیکن معنی خیز آزادی عطا کرتا ہے۔ یہ نظام خاندانی استحکام کو مقدم رکھتا ہے، لیکن معاصر دور میں یہ جدید انصاف کی طرف گامزن ہے، جو یہودیت کی ابدی حکمت کا مظہر ہے۔ ادبی تناظر میں، یہ حقوق خواتین کو ایک resilient اور بااختیار وجود بناتے ہیں، جو معاشرے کی بنیاد کو مستحکم کرتے ہیں۔

عیسائیت میں خواتین کی معاشی خود مختاری کا تصور

عیسائیت میں خواتین کی معاشی خود مختاری کا تصور براہِ راست قانونی احکام کی صورت میں کم اور اخلاقی و روحانی اقدار کے پیرائے میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ انجیل کی تعلیمات میں دنیاوی دولت کو حتمی مقصد کے بجائے ایک آزمائش اور امانت کے طور پر دیکھا گیا، جس کے نتیجے میں معاشی سرگرمی کو اخلاقی ذمہ داری کے تابع کر دیا گیا۔ اسی فکری مزاج نے عورت اور مرد دونوں کی معاشی حیثیت کو روحانی مساوات کے اصول کے تحت سمجھا، اگرچہ تاریخی طور پر کلیسائی اداروں نے عورت کی معاشی آزادی کو محدود دائرے میں رکھا۔

For where your treasure is, there your heart will be also.[11]

"جہاں تمہارا خزانہ ہے وہیں تمہارا دل بھی ہو گا۔"

یہ انجیلی قول دولت اور انسانی وابستگی کے باہمی تعلق کو اخلاقی زاویے سے دیکھتا ہے۔ یہاں دولت کی نفی نہیں بلکہ اس کے مرکزِ توجہ بن جانے پر تنقید مضمر ہے۔ اسی تناظر میں عورت کی معاشی سرگرمی کو بھی حرصِ زر کے بجائے خدمت، کفالت اور ذمہ داری کے دائرے میں رکھا گیا، جس کے باعث ابتدائی عیسائی معاشروں میں عورت کی معاشی خودمختاری فردی حق کے بجائے اخلاقی کردار کے طور پر سمجھی گئی۔

> For there is neither male nor female: for ye are all one in Christ Jesus.[12]

"نہ مرد باقی رہا ہے نہ عورت، کیونکہ تم سب مسیح یسوع میں ایک ہو۔"

یہ قول عیسائیت میں روحانی مساوات کا بنیادی اعلان ہے، جس نے نظری سطح پر جنس کی بنیاد پر امتیاز کو غیر متعلق بنا دیا۔ اگرچہ یہ مساوات فوری طور پر قانونی یا معاشی مساوات میں تبدیل نہ ہو سکی، تاہم اسی اصول نے بعد کے ادوار میں عورت کے لیے جائیداد، وراثت اور معاشی شرکت کے اخلاقی جواز کو مضبوط کیا۔ یوں عیسائی فکر میں عورت کی معاشی خودمختاری کا بیج روحانی وحدت کے تصور میں بویا گیا۔

سینٹ آگسٹین انسانی معاشرت میں نظم اور اطاعت کو بنیادی قدر قرار دیتے ہوئے عورت کی معاشی حیثیت کو خاندانی ڈھانچے کے اندر دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک عورت اور مرد روحانی قدر میں برابر ہیں، مگر سماجی کردار مختلف ہیں۔ یہی تصور قرونِ وسطیٰ کی کلیسائی روایت میں عورت کی معاشی آزادی کو محدود رکھنے کا سبب بنا، تاہم روحانی مساوات کے اصول نے اس محدودیت کو فطری یا دائمی قرار نہیں دیا بلکہ ایک وقتی سماجی نظم کے طور پر برقرار رکھا۔[13]

تھامس ایکویناس ملکیت کو فطری حق کے بجائے عقلی و اخلاقی ضرورت کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر عورت اخلاقی ذمہ داری کی حامل ہے تو اصولی طور پر وہ مالی تصرف کی بھی اہل ہے، اگرچہ اجتماعی نظم کے پیشِ نظر اس تصرف کو ضابطوں کے تحت رکھا جا سکتا ہے۔ یہ نظریہ بعد کی عیسائی قانونی روایت میں عورت کے لیے محدود مگر تسلیم شدہ معاشی کردار کی بنیاد بنا۔[14]

جدید مغربی مفکر کیرن آرمسٹرانگ کے مطابق عیسائیت میں عورت کی معاشی خودمختاری کا ارتقا بنیادی طور پر مذہبی نصوص کے اندر موجود اخلاقی اصولوں اور جدید سیکولر قانون کے باہمی تعامل کا نتیجہ ہے۔ صنعتی اور مابعد صنعتی معاشروں میں عورت کی معاشی شرکت کو مسیحی اخلاقیات کے ساتھ ہم آہنگ کر کے پیش کیا گیا، جس سے مذہب اور جدیدیت کے درمیان تصادم کے بجائے تدریجی تطبیق کی راہ ہموار ہوئی۔[15]

اس مجموعی تناظر سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ عیسائیت میں خواتین کی معاشی خود مختاری کا تصور براہِ راست معاشی حقوق کے اعلان کے بجائے اخلاقی مساوات، روحانی وحدت اور ذمہ دارانہ تصرف کے اصولوں سے تشکیل پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلیسائی تاریخ میں عورت کی معاشی آزادی محدود رہی، مگر جدید مغربی عیسائی معاشروں میں یہی اخلاقی بنیاد عورت کی وسیع معاشی شرکت اور قانونی خود مختاری کے لیے فکری جواز فراہم کرتی ہے۔ اس طرح عیسائیت کا معاشی تصورِ نسواں ایک تدریجی، اخلاقی اور تاریخی ارتقا کی نمائندگی کرتا ہے۔

عیسائیت، جو انجیل مقدس کی آسمانی تعلیمات پر قائم ابراہیمی مذہب ہے، خواتین کی معاشی خود مختاری کو ایک مقدس اور متوازن تصور کی صورت میں پیش کرتی ہے۔ یہ تصور، جو الٰہی برابری اور انسانی کرامت کی بنیاد پر استوار ہے، خواتین کو مردوں کے برابر خدا کی صورت پر پیدا شدہ قرار دیتا ہے، جو ان کی مالی آزادی کی جڑ ہے۔ انجیل کی رو سے، خواتین نہ صرف خاندانی ذمہ داریاں نبھاتی ہیں بلکہ معاشی میدان میں بھی خود مختار کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ تصور اولڈ ٹیسٹامنٹ کی حکمت اور نیو ٹیسٹامنٹ کی برابری کی تعلیمات سے ابھرتا ہے، جو خواتین کو جائیداد، تجارت اور وراثت کے حقوق عطا کرتا ہے۔ تحقیقی اعتبار سے، عیسائیت نے قدیم رومی اور یونانی معاشروں میں خواتین کی معاشی غلامی کو چیلنج کیا، جہاں وہ مردوں کی ملکیت شمار ہوتی تھیں۔ یہ حقوق الٰہی انصاف کی بنیاد پر ہیں، جو معاشرتی توازن اور خواتین کی کرامت کی حفاظت کرتے ہیں۔ ادبی تناظر میں، یہ تصور خواتین کو ایک بااختیار وجود بناتا ہے، جو معاشرے کی روحانی اور مادی ترقی کا ضامن ہے۔ اولڈ ٹیسٹامنٹ میں خواتین کی معاشی خود مختاری کی جھلک Proverbs میں نظر آتی ہے، جہاں ایک نیک عورت کو تجارت، جائیداد کی خرید و فروخت، اور کھیتی باڑی کی نگرانی کرنے والی دکھایا گیا ہے۔ وہ اپنے خاندان کی کفالت کرتی ہے، غریبوں کی مدد کرتی ہے، اور اپنی کمائی سے سرمایہ کاری کرتی ہے، جو اس کی مالی خود مختاری کا واضح مظہر ہے۔ کتاب Ruth میں ایک بیوہ عورت کو کھیتوں میں مزدوری کرتے اور اپنی بقا کے لیے جدوجہد کرتے دکھایا گیا ہے، جو اس کی معاشی آزادی کو تسلیم کرتی ہے۔ یہ تعلیمات خواتین کو معاشی طور پر بااختیار بناتی ہیں، جہاں وہ نہ صرف گھریلو امور سنبھالتی ہیں بلکہ کاروباری فیصلے بھی کرتی ہیں۔ تحقیقی مطالعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نصوص قدیم یہودی معاشرے سے ماخوذ ہیں، جہاں خواتین کی حیثیت محدود تھی، لیکن عیسائیت نے انہیں الٰہی نعمت کا حصہ دار قرار دے کر بلند کیا۔ تاہم، بعض آیات میں مرد کی سرپرستی کی تاکید ہے، جو تفاسیر میں خود مختاری کو متاثر کر سکتی ہے۔ نیو ٹیسٹامنٹ میں یہ تصور Galatians پر مبنی ہے، جہاں فرمایا گیا ہے کہ "مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ تم سب مسیح میں ایک ہو"۔ یہ آیت خواتین کی معاشی اور سماجی برابری کی بنیاد ہے۔ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے خواتین کے ساتھ برابری کا سلوک کیا؛ مثال کے طور پر، Luke میں خواتین کو اپنے مال

سے مسیح کی خدمت کرنے والی دکھایا گیا ہے، جو ان کی مالی خود مختاری کو ظاہر کرتا ہے۔ Romans میں Phoebe کو ایک benefactor اور deacon قرار دیا گیا ہے، جو خواتین کی مالی امداد اور قیادت کو تسلیم کرتی ہے۔ Ephesians میں ازدواجی برابری کی تاکید ہے، جو معاشی فیصلوں میں باہمی احترام کا تقاضا کرتی ہے۔ تاہم، Timothy جیسی آیات میں خواتین کو تدریس میں خاموش رہنے کا حکم ہے، جو تاریخی تفاسیر میں ان کی معاشی شرکت کو محدود کر سکتی ہیں۔ تحقیقی جائزوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تعلیمات نے خواتین کو رومی معاشرے میں وراثت اور تجارت کی آزادی دی، جو الٰہی محبت کی بنیاد پر revolutionary تھیں۔ تاریخی تناظر میں، عیسائیت نے خواتین کی معاشی خود مختاری کو فروغ دیا؛ قرون وسطیٰ میں nuns اور abbesses نے جائیداد کا انتظام کیا، اور Reformation کے بعد Protestant خواتین نے تجارت میں حصہ لیا۔ معاصر عیسائیت میں، خاص طور پر Catholic اور Protestant شاخوں میں، خواتین کو کاروبار، تعلیم اور قیادت کے میدانوں میں برابری حاصل ہے، جو بائبل کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ women's rights movements میں مسیحی خواتین کا کردار، جیسے suffrage، اس کی مثال ہے۔ ادبی اعتبار سے، یہ تصور خواتین کو ایک مقدس اور resilient وجود بناتا ہے، جو معاشرے کی روحانی بنیاد کو مستحکم کرتا ہے۔ عیسائیت میں خواتین کی معاشی خود مختاری کا تصور الٰہی برابری پر قائم ہے، جو انہیں مالی آزادی اور خاندانی توازن عطا کرتا ہے۔ یہ نظام بائبل کی حکمت سے ماخوذ ہے، جو انسانی انصاف کی بنیاد فراہم کرتا ہے اور خواتین کو خدا کی نعمت کا مکمل حصہ دار بناتا ہے۔

اسلام میں خواتین کی معاشی خود مختاری کا جامع ماڈل

اسلام میں خواتین کی معاشی خود مختاری ایک مربوط نظام کا حصہ ہے جو اخلاق، قانون اور سماجی توازن کے امتزاج پر قائم ہے۔ یہ نظام عورت کو محض مرد کے زیرِ سایہ یا خاندانی وابستگی کے تابع نہ سمجھتا ہے بلکہ اسے ایک آزاد، جواب دہ اور حقوق و ذمہ داریوں کا حامل فرد قرار دیتا ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں عورت کی مالی حیثیت کو مستقل، قابلِ تحفظ اور تصرف کے اہل سمجھا گیا ہے، جو کہ اخلاقی اور روحانی ذمہ داری کے اصولوں کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔

وَلِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ[16]

"مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں، اور عورتوں کے لیے بھی اس میں حصہ ہے۔"

یہ قرآنی نصوص عورت کو مالی حیثیت میں مکمل اور مستقل وارث تسلیم کرتی ہیں، اور اس کے حقوق کو جنس کی بنیاد پر محدود نہیں کرتی۔ یہ اصول اسلام میں عورت کی معاشی خود مختاری کی بنیادی قانونی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً[17]

"اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو۔"

مہر کا تصور ازدواجی معاہدہ میں عورت کے مالی حقوق کی ضمانت ہے۔ اسلام نے عورت کے ذاتی مال اور تصرف کو شوہر کی کفالت کے تابع نہیں بنایا، بلکہ اسے محفوظ اور مکمل حق تسلیم کیا۔ نان ونفقہ کی ذمہ داری مرد پر عائد کر کے عورت کی ذاتی ملکیت کو خاندانی اخراجات سے محفوظ رکھا گیا، جو عدل و توازن کی ایک نمایاں صورت ہے۔

إنَّ دِماءَكُم وأموالَكُم وأعراضَكُم عليكم حرام[18]

"تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت ایک دوسرے پر حرام ہیں۔"

یہ نبوی اعلان عورت کی مالی ملکیت کو وہی تقدس اور قانونی تحفظ عطا کرتا ہے جو مرد کے مال کو حاصل ہے۔ کسی بھی جبر یا بلا اجازت تصرف کو اسلام میں ممنوع قرار دیا گیا، جس سے خواتین کی معاشی خود مختاری کو تحفظ فراہم ہوا۔

امام شاطبی نے مقاصدِ شریعت کے باب میں وضاحت کی کہ مال کے تحفظ کو بنیادی مقصد سمجھتے ہوئے عورت کی مالی حقوق مرد کی طرح محفوظ ہیں۔ وراثت میں عددی فرق مرد اور عورت کے درمیان ذمہ داری اور خاندانی نظام کے تقاضے پر مبنی ہے، نہ کہ کسی جنس پرستی یا امتیاز کی وجہ سے۔[19]

یوسف القرضاوی کے نزدیک کلاسیکی فقہ نے عورت کی معاشی خود مختاری کو اصولی طور پر تسلیم کیا، جبکہ معاصر تعبیرات نے اس خود مختاری کو جدید معاشی نظام، ملازمت اور سرمایہ کاری کے ساتھ ہم آہنگ کیا۔ اسلام کا اصل امتیاز یہ ہے کہ عورت کو معاشی طور پر بااختیار بناتے ہوئے اسے خاندانی اور سماجی ذمہ داریوں سے جدا نہیں کیا گیا۔[20]

اس مجموعی مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں خواتین کی معاشی خود مختاری ایک مربوط، اخلاقی اور قانونی نظام کا حصہ ہے، جو ذاتی ملکیت، وراثت، کفالت اور ذمہ داری کو باہمی توازن کے ساتھ جوڑتا ہے۔ یہی ماڈل کلاسیکی فقہ سے لے کر معاصر تعبیرات تک اپنی معنوی قوت برقرار رکھتا ہے اور عصری چیلنجز کے باوجود عملی طور پر قابلِ اطلاق ہے۔

اسلام، جو قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانی ہدایات پر مبنی ہے، خواتین کی معاشی خود مختاری کو ایک جامع اور متوازن ماڈل کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ یہ ماڈل، جو الٰہی عدل و انصاف کی بنیاد پر استوار ہے، خواتین کو مالی آزادی، ملکیت، وراثت اور تجارت کے حقوق عطا کرتا ہے، جو قبل از اسلام جہالت کے دور میں ناممکن تھا۔ قرآن کی آیت "لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ" (سورۃ النساء: ۳۲) خواتین کی کمائی پر مکمل اختیار کی ضمانت ہے، جو انہیں مردوں کے برابر معاشی حیثیت دیتی ہے۔ تحقیقی اعتبار سے، یہ ماڈل خواتین کی معاشی بااختیاری کو revolutionary قدم کے طور پر متعارف کرتا

ہے، جہاں وہ نہ صرف مالک بن سکتی ہیں بلکہ اپنے مالی معاملات کو آزادانہ سنبھال سکتی ہیں۔ یہ حقوق الٰہی حکم کی صورت میں نافذ ہیں، جو معاشرتی توازن اور انسانی کرامت کی حفاظت کرتے ہیں۔ ادبی تناظر میں، یہ ماڈل خواتین کو ایک بااختیار وجود بناتا ہے، جو معاشرے کی ترقی کا مرکزی ستون ہے۔ ملکیت کا حق اسلام میں خواتین کی معاشی خود مختاری کی بنیاد ہے۔ قرآن کی رو سے، خواتین جائیداد خرید و فروخت کر سکتی ہیں، سرمایہ کاری کر سکتی ہیں، اور اپنی کمائی پر مکمل اختیار رکھتی ہیں۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عورت اپنے مال کی مالک ہے"، جو اس کی مالی آزادی کو تسلیم کرتی ہے۔ تاریخی طور پر، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت اس کی زندہ مثال ہے، جو اسلام سے پہلے اور بعد میں جاری رہی۔ تحقیقی مطالعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے خواتین کو شوہر یا باپ سے الگ مالی حیثیت دی، جو انہیں معاشی بحرانوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ نان نفقہ مرد کی ذمہ داری ہے، جبکہ عورت کی کمائی اس کی ذاتی ملکیت ہے۔ مہر، جو شادی کے وقت ادا کیا جاتا ہے، خواتین کا خالص حق ہے اور ان کی معاشی تحفظ کی ضمانت ہے۔ یہ ماڈل خواتین کو مالی طور پر خود کفیل بناتا ہے، جو قبل از اسلام عرب معاشرے میں عورت کی حیثیت کو غلامانہ سے بلند کرتا ہے۔ وراثت کا نظام اسلام میں خواتین کی معاشی خود مختاری کا کلیدی عنصر ہے۔ قرآن کی سورۃ النساء:۷ میں فرمایا گیا ہے کہ "عورتوں کے لیے والدین اور اقربا کی ترکہ میں حصہ ہے"، جو انہیں مقررہ حصے دیتی ہے۔ بیٹی کو باپ کی وراثت میں نصف حصہ ملتا ہے، لیکن یہ مرد کی مالی ذمہ داریوں (جیسے خاندان کی کفالت) کی تلافی ہے۔ اگر بیٹے نہ ہوں تو بیٹی کو زیادہ حصہ ملتا ہے، اور بعض صورتوں میں عورت مرد سے زیادہ حاصل کر سکتی ہے۔ تحقیقی جائزوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نظام gender justice پر مبنی ہے، نہ کہ برابری پر، جو معاشی توازن قائم کرتا ہے۔ قبل از اسلام، خواتین کو وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا، لیکن اسلام نے اسے الٰہی حق قرار دیا۔ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وراثت کی اہمیت پر زور دیا، جو خواتین کی معاشی حفاظت کو یقینی بناتی ہے۔ تجارت اور کاروبار میں خواتین کی شرکت اسلام کی طرف سے حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ قرآن کی آیت "او تم اپنے مالوں کو آپس میں ناحق نہ کھاؤ" (سورۃ النساء:۲۹) حلال تجارت کی تاکید کرتی ہے، جو خواتین پر بھی ہے۔ معاصر اسلامی معاشروں میں، یہ ماڈل خواتین کی معاشی شرکت کو فروغ دیتا ہے، جو اس کی لچک کا مظہر ہے۔ تحقیقی اعتبار سے، یہ نظام حدیث کی روشنی میں خواتین کو معاشی میدان میں فعال بناتا ہے، جو انڈونیشیا جیسے ممالک میں عملی طور پر نافذ ہے۔ اسلام میں خواتین کی معاشی خود مختاری کا جامع ماڈل الٰہی عدل پر قائم ہے، جو انہیں مالی آزادی، تحفظ اور برابری عطا کرتا ہے۔ یہ ماڈل نہ صرف تاریخی انقلاب ہے بلکہ معاصر دنیا کے لیے مثالی ہے، جو انسانی ترقی کا ضامن ہے۔

تقابلی نتائج اور خواتین کی معاشی خود مختاری کے عصری مضمرات

عصرِ حاضر میں خواتین کی معاشی خود مختاری کے موضوع پر الہامی مذاہب کی تعلیمات کا تقابلی جائزہ ایک علمی ضرورت ہے، کیونکہ یہ نہ صرف مذہبی نصوص کے اخلاقی و قانونی مضمرات کو ظاہر کرتا ہے بلکہ عصری معاشی اور سماجی نظام میں ان کی عملی افادیت کو بھی بیان کرتا ہے۔ اسلام، عیسائیت اور یہودیت نے عورت کو مالی حیثیت میں مختلف سطحوں پر تسلیم کیا، لیکن مشترکہ نقطہ یہ ہے کہ عورت کی مالی شناخت کو مکمل آزادی کے ساتھ ذمہ داری کے دائرے میں جوڑا گیا ہے۔

وَلِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ[21]

"مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں، اور عورتوں کے لیے بھی اس میں حصہ ہے۔"

For there is neither male nor female: for ye are all one in Christ Jesus.[22]

"نہ مرد باقی رہا ہے نہ عورت، کیونکہ تم سب مسیح یسوع میں ایک ہو۔"

اور تم اس کی میراث اس کی بیٹی کو دے دو گے۔[23]"

یہ متون بتاتے ہیں کہ اسلام میں عورت کو مستقل وارث اور مالی حیثیت سے ممتاز مقام حاصل ہے، عیسائیت میں روحانی مساوات کے تحت عورت کی معاشی شمولیت کو اخلاقی جواز ملا، اور یہودیت میں عورت کے جائیدادی حق کو قانونی اور ازدواجی تحفظات کے ساتھ یقینی بنایا گیا۔ اگرچہ ہر مذہب کی عملی تعبیر اور تاریخی نفاذ مختلف رہا، مگر بنیادی اصول، عورت کی مالی شناخت اور تصرف کا حق، مشترک ہے۔

جدید معاشی نظام میں یہ فرق واضح ہوتا ہے کہ اسلامی معاشروں میں عورت کی مالی خود مختاری کو مہر، نان و نفقہ، اور وراثت کے اصولوں کے تحت قانونی تحفظ حاصل ہے، جبکہ مغربی عیسائی معاشروں میں سیکولر قانون نے روحانی اصولوں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کر کے معاشی حقوق کا وسیع دائرہ فراہم کیا۔ اسرائیلی اور دیگر یہودی معاشروں میں Ketubah اور وراثتی قوانین نے عورت کو قانونی اور مالی تحفظ دیا، لیکن خاندانی نظم اور نسبی ترتیب کے تحت بعض حد بندیوں کے ساتھ۔ خاندانی استحکام اور معاشی خود مختاری کے تعلق کی تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی مالی خود مختاری کے اصول کو اگر مکمل آزادی کے طور پر لاگو کیا جائے تو خاندانی توازن متاثر ہو سکتا ہے، اور اسی لیے الہامی مذاہب نے ہر سطح پر ذمہ داری، تحفظ اور اخلاقی رہنمائی کا امتزاج متعین کیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ معاشی خود مختاری اور خاندانی استحکام متضاد نہیں بلکہ مربوط ہیں۔ بین المذاہب تقابلی نتائج سے یہ بھی

معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی معاشی خودمختاری کو عملی طور پر یقینی بنانے کے لیے مذہبی اصولوں کو جدید قانونی ڈھانچوں، معاشرتی اقدار اور اقتصادی نظام کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے۔ عصری چیلنجز میں جنس پر مبنی امتیاز، معاشی عدم مساوات، اور سیکولر اقدار کے اثرات شامل ہیں، لیکن الہامی نصوص کی فکری بنیاد اور معاصر تعبیرات عورت کی مالی خودمختاری کے نفاذ کے لیے ایک مضبوط فکری و قانونی معیار فراہم کرتی ہیں۔ یہ مجموعی تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ الہامی مذاہب میں عورت کی معاشی خودمختاری ایک مربوط، اخلاقی، قانونی اور سماجی نظام کا حصہ ہے، جو عصری دنیا میں بھی اپنے اصولی مفہوم اور عملی تطبیق کے حوالے سے قابلِ غور اور قابلِ عمل رہتا ہے۔

خلاصہ کلام

مقدمہ اور مباحث کے تجزیے کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام، عیسائیت اور یہودیت میں خواتین کی معاشی خودمختاری کا تصور ہر مذہب میں بنیادی طور پر موجود ہے، تاہم اس کے اطلاق، دائرہ اور تاریخی نفاذ میں فرق پایا جاتا ہے۔ اسلام میں قرآن و سنت کی بنیاد پر عورت کو مکمل مالی شناخت حاصل ہے، مہر، نان و نفقہ اور وراثت کے اصول اس کی ذاتی ملکیت اور معاشی خودمختاری کو یقینی بناتے ہیں۔ عیسائیت میں روحانی مساوات اور اخلاقی ذمہ داری کے اصول عورت کی معاشی شرکت کے لیے فکری جواز فراہم کرتے ہیں، جبکہ عملی سطح پر تاریخی طور پر محدودیت رہی۔ یہودیت میں Ketubah اور وراثتی ضوابط عورت کو قانونی و ازدواجی تحفظ فراہم کرتے ہیں، تاہم خاندانی نظم اور نسبی ترتیب کے تحت معاشی اختیارات محدود بھی رہ سکتے ہیں۔ تقابلی جائزے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ الہامی مذاہب میں معاشی خودمختاری اور خاندانی استحکام ایک دوسرے کے متضاد نہیں بلکہ مربوط ہیں۔ اسلام میں عورت کی مالی آزادی کو خاندانی ذمہ داریوں سے جوڑا گیا ہے، عیسائیت میں اخلاقی و روحانی ذمہ داری معاشی آزادی کے ساتھ جڑی ہے، اور یہودیت میں قانونی اور ازدواجی تحفظ عورت کی مالی حیثیت کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ اس تجزیے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عصری معاشروں میں سیکولر قوانین اور بین المذاہب تعامل نے عورت کی معاشی خودمختاری کو مزید مضبوط اور عملی بنایا ہے، جبکہ مذہبی اصول اب بھی اس کی فکری اور اخلاقی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ آخر میں، خواتین کی معاشی خودمختاری کا تصور نہ صرف معاشرتی اور قانونی ضرورت ہے بلکہ یہ اخلاقی، روحانی اور انسانی وقار کے اصول سے بھی منسلک ہے۔ الہامی مذاہب کی نصوص اور تعلیمات عورت کو محض سماجی یا خاندانی کردار میں محدود نہیں کرتی بلکہ اسے ایک آزاد، ذمہ دار اور مالی طور پر فعال فرد کے طور پر تسلیم کرتی ہیں۔ عصری دنیا میں اس کے اطلاق اور چیلنجز کے باوجود یہ اصول قابلِ فہم، مؤثر اور پائیدار ہیں۔ یہ مطالعہ اس بات کو

بھی واضح کرتا ہے کہ مذہبی تعلیمات اور جدید معاشرتی قوانین کے درمیان ہم آہنگی پیدا کر کے خواتین کی معاشی خود مختاری کو ایک جامع اور متوازن نظام کے طور پر فروغ دیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

[1] Al-Qurʾān, Sūrat al-Isrāʾ 17:70
[2] The Holy Bible, 1 Timothy 6:10
[3] The Torah, Genesis 1:28
[4] Ibn Ḥazm, ʿAlī ibn Aḥmad, *Al-Muḥallā* (Cairo: Dār al-Fikr, 1347 AH), 8: 330
[5] Taylor, Charles, *Sources of the Self* (Cambridge: Harvard University Press, 1989), 412
[6] The Torah, Exodus 21:7
[7] The Torah, Numbers 27:8
[8] Encyclopaedia Judaica, "Ketubah" (Jerusalem: Keter Publishing, 1972), 10: 964
[9] Maimonides, Moses, *Mishneh Torah* (Jerusalem: Mossad Harav Kook, 1957), Nashim: Ishut 12:2
[10] Elon, Menachem, *Jewish Law: History, Sources, Principles* (Philadelphia: Jewish Publication Society, 1994), 2: 879
[11] The Holy Bible, Matthew 6:21
[12] The Holy Bible, Galatians 3:28
[13] Augustine, Aurelius, *De Civitate Dei* (Rome: Typis Vaticanis, 1475), 19:16
[14] Aquinas, Thomas, *Summa Theologiae* (Paris: Lethielleux, 1888), II–II, Q. 66
[15] Armstrong, Karen, *A History of Christianity* (London: Penguin Books, 2014), 291
[16] Al-Qurʾān, Sūrat al-Nisāʾ 4:7
[17] Al-Qurʾān, Sūrat al-Nisāʾ 4:4
[18] Al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī* (Cairo: al-Maṭbaʿa al-Salafiyya, 1311 AH), 1: 67
[19] Al-Shāṭibī, Ibrāhīm ibn Mūsā, *Al-Muwāfaqāt* (Cairo: Dār al-Maʿrifa, 1341 AH), 2: 8
[20] Al-Qaraḍāwī, Yūsuf, *Fiqh al-Marʾa al-Muslima* (Cairo: Dār al-Shurūq, 1996), 153
[21] Al-Qurʾān, Sūrat al-Nisāʾ 4:7
[22] The Holy Bible, Galatians 3:28
[23] The Torah, Numbers 27:8